زکاۃ کی معاشی اہمیت کے چند پہلو

(علامہ ابن قیمؒ کی نظر میں)

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

اسلامی فریضۂ زکاۃ کو عام آدمی محض ایک خیراتی نظام سمجھتا ہے۔ لیکن مسلم ماہرین معاشیات اسے اسلامی مالیاتی نظام کا اساسی رکن قرار دیتے ہیں۔ ہر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ زکاۃ کا نظام قائم کرے، زکاۃ کی تحصیل اور نظم و نسق کا پورا انتظام کرے اور قرآن میں مذکورہ مصارف کے مطابق اسے خرچ کرے۔ زکاۃ کے تجزیہ اور معاشی زندگی پر اس کے دور رس اثرات پر اس وقت کافی کتابیں دستیاب ہیں[۱] قدماء کی تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی زکوٰۃ کو انفرادی خیراتی عمل سمجھنے کے بجائے اس کو اجتماعی معاشی زندگی کا ایک جامع و موثر حصہ سمجھتے تھے۔ پیش نظر مضمون میں زکاۃ کی معاشی اہمیت سے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ء) کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

زکاۃ چند شرائط کے ساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے' اور قرآن مجید میں نماز کے بعد سب سے زیادہ اسی فریضہ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ زکاۃ کے مختلف پہلوؤں کے اثر

۱؎ پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی کی اسلامی معاشیات سے متعلق ریسرچ رپورٹ CONTE-MPORARY LITERATURE ON ISLAMIC ECO-NOMICS مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن انگلینڈ ۱۹۷۸ء میں زکاۃ کی معاشی اہمیت اور متعلقات پر انگریزی' عربی اور اردو کتابوں اور مقالات کے تقریباً تیس حوالے درج ہیں ص ص ۲۹-۳۱، ۵۴ ان میں یوسف القرضاوی کی کتاب فقہ الزکاۃ (دو جلدیں) زکاۃ کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہندو پاک میں شائع ہوچکا ہے، ادھر حال میں کئی اور مجموعے اور مقالات زکاۃ کی معاشی اہمیت سے متعلق منظر عام پر آچکے ہیں۔

وحکم پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" میں تحریر کرتے ہیں:۔

ھدیہ فی الزکاۃ اکمل	زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت، اس کی مقدار
ھدی فی وقتھا وقدرھا	اس کا نصاب اور کن لوگوں پر واجب
ونصابھا ومن تجب علیہ	ہوگی اور اس کے مصارف کیا ہیں
ومصرفہ وراعی فیہ	ان ساری چیزوں سے متعلق حضورؐ
مصلحۃ ارباب الاموال	کی رہنمائی واسوہ نہایت جامع وکامل
ومصلحۃ المساکین وجعلھا	ہے۔ آپؐ نے اس سلسلہ میں مالداروں
اللہ تعالیٰ طھرۃ للمال ولصاحبہ	اور مسکینوں دونوں کے مفادات اور
وقید النعمۃ بہ علی الاغنیاء	مصلحتوں کا خیال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ
فما زالت النعمۃ بالمال	نے زکاۃ کو مال وصاحب مال کی
علی من ادی	پاکی کا ذریعہ بنایا ہے اور مالداروں پر
زکاتہ بل یحفظہ	اس کے سبب اپنی نعمت بحال رکھی
علیہ وینمیہ	ہے۔ چنانچہ جو پابندی سے زکاۃ
لہ ویدفع عنہ	ادا کرتا ہے اس کے ساتھ مال کی
بہا الآفات ویجعلھا	نعمت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ بلکہ اس
سورا علیہ وحصنالہ	پر اس کی حفاظت فرماتا ہے اور مزید
وحارسالہ۔ [1]	اسے بڑھاتا ہے، اور اسی سے ہر طرح
	کی مصیبت دور کرتا ہے، زکاۃ کو اس کے
	لئے ایک فصیل، قلعہ اور محافظ بنا دیتا ہے

زکاۃ۔ دولت کی پاکی و بالیدگی کے معنی میں

زکاۃ کے لغوی معنی تطہیر و تزکیہ یا پاکی و بالیدگی کے ہیں جو عام طور پر روحانی و اخلاقی

[1] ابن القیم۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد حصہ اول ص۱۲۱۔ القاہرہ المطبعۃ المصریہ ومکتبتھا بدون تاریخ

معنوں میں لیا جاتا ہے، لیکن ابن قیمؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے مترشح ہے کہ تطہیر و تزکیہ معاشی معنوں میں بھی صحیح ہے بشرطیکہ زکاۃ کا نظام اچھی طرح قائم و دائم ہو، کیونکہ زکاۃ ایثار و ہمدردی اور تعاون جیسے اچھے جذبات کی فضا پیدا کرتی ہے، جس کی وجہ سے فقر و فاقہ اور شور و شر میں کمی آجاتی ہے اور معاشرہ پاک و صاف اور پر امن نظر آنے لگتا ہے، یہ چیز پیداواری عمل اور کاروبار کے لئے سازگار ماحول فراہم کرتی ہے، جس سے زکاۃ ادا کرنے والے کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ زکوٰۃ اموال نامیہ پر ہوتی ہے اور شرط یہ ہے کہ پورا سال گزر چکا ہو، اس کے ساتھ یہ خوف کہ ہر سال زکاۃ کی ادائیگی مال کی مقدار کم کرتی رہے گی، یہ سارے عوامل بھی صرف و استثمار پر ابھارنے والے ہیں، اس طرح بھی زکاۃ دولت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی برکت و توفیق سے جو اضافہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے سچ فرمایا اللہ کے رسولؐ نے

ما نقصت صدقۃ من مال [1] — صدقہ و زکاۃ کبھی مال میں کمی کا باعث نہیں بنتے۔

اس کے برخلاف اگر زکاۃ کا نظام قائم نہ ہو تو کم آمدنی والے طبقات میں محرومی و بے چارگی کے احساسات عام ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بغض و حسد، عداوت و مخاصمت اور محروم اور متمول کے درمیان کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، معاشرہ میں تعفن سا محسوس ہوتا ہے جس کا اثر پیداواری عمل اور عام معاشی سرگرمیوں پر بھی پڑتا ہے۔

آسان و مناسب شرح زکاۃ

زکاۃ جود و سخا، محبت و اخوت اور ایثار و قربانی جیسے صفات کو پروان چڑھاتی ہے شریعت نے زکاۃ کی جو شرح رکھی ہے وہ ان مقاصد کو اچھی طرح پورا کرتی ہے۔ زکاۃ

---

[1] احمد بن حنبل۔ مسند احمد بن حنبل جلد دوم ص ۲۳۵ بیروت، المکتب الاسلامی بدون تاریخ۔

دی جانے والی رقم اداکنندگان کے لحاظ سے کوئی بہت بڑی نہیں ہوتی کہ انھیں گراں گزرے لیکن وہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے کافی ہوتی ہے، اگر زکاۃ کی شرح بہت اونچی ہوتی تو مال دار ادائیگی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے حیلوں کا سہارا لیتے اور دوسروں میں مفت خوری کی عادت بڑھ جاتی، جس سے زکاۃ کا مقصد ہی فوت ہوجاتا۔ اسی حقیقت کی طرف ابن قیمؒ درج ذیل عبارت میں اشارہ کرتے ہیں۔

ثم انہ لما کان لایحتمل	چونکہ مال کی ہر قلیل مقدار میں دوسروں
المواساۃ کل مال وان	کی حاجت روائی ممکن نہیں اس لئے
قل جعل للمال الذی یحتمل	مال کی اس مقدار کا جس سے دوسروں
المواساۃ نصبا مقدرۃ	کو بھی نوازا جاسکے ایک نصاب
المواساۃ فیہا لا تجحف	طے کردیا گیا ہے، جس سے مالداروں
بارباب الاموال وتقع	کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور حاجت مندوں
موقعہا من المساکین....	کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔
فاقتضت حکمتہ ان	حکمت خداوندی نے مال کی
جعل فی الاموال قدرا	ایک مقدار متعین کردی ہے جس
یحتمل المواساۃ ولا یجحف	سے دوسروں کی مدد ہوسکے اور کسی
بہا ویکفی المساکین ولا	پر ظلم نہ ہو اور اہل حاجت کے لئے
یحتاجون معہ الی شی	اتنا کافی ہو کہ اس کے بعد کسی اور چیز
ففرض فی اموال الاغنیاء	کی ضرورت نہ رہے۔ چنانچہ مالداروں
مایکفی الفقراء، فوقع	کے مال میں اتنی مقدار فرض کی ہے
الظلم من الطائفتین الغنی	جو غریبوں کے لئے کافی ہو۔ اگر
یمنع ما وجب علیہ	کہیں مقدار بہت زیادہ ہوتی تو دونوں
والآخذ یاخذ ما	جانب سے زیادتی متوقع تھی ایک
لایستحقہ فتولد	طرف مالدار اپنا فرض پورا کرنے سے

من الطائفتین ضرر عظیم علی المساکین وفاقۃ شدیدۃ اوجبت لہم انواع الحیل والالحاف للمسألۃ[1]

کرتا تا دوسری طرف لینے والا بے استحقاق مال کثیر حاصل کرتا اور دونوں کے عمل سے غریبوں کو نقصان پہنچا اور فقر وفاقہ کی شدت انہیں مختلف حیلے اپنانے اور بھیک مانگنے پر مجبور کر دیتی۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

واذا تامل العاقل مقدارما اوجب الشارع فی الزکاۃ وجدہ مما لا یضر المخرج فقدہ وینفع الفقیر اخذہ ورأہ قد راعی فیہ حال صاحب المال وجانبہ حق الرعایۃ ونفع الآخذ بہ[2]

اگر صاحب دانش اس مقدار کو دیکھے جو شارع نے زکاۃ کے سلسلہ میں واجب کی ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ اتنی ہلکی ہے کہ اس کا نکالنا مال والے کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر محتاج اسے حاصل کر کے مگر محتاج اسے حاصل کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس میں مال والے کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے اور لینے والے کا فائدہ بھی ملحوظ ہے۔

زکاۃ اموال نامیہ پر

زکاۃ ہر طرح کی املاک پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف ان اموال پر فرض ہے

---

[1] زاد المعاد جلد اول ص ۱۴۷

[2] ابن القیم، اعلام الموقعین جلد دوم ص ۹۲ القاہرہ مکتبہ السعادۃ ۱۹۵۵ء

جن میں افزائش کی صلاحیت پائی جاتی ہے خواہ یہ صلاحیت بالفعل ہو یا بالقوہ۔رہے وہ سامان جو استعمال کے ہیں مثلاً لباس، آلات و اوزار، رہائش کے گھر، سواری کے جانور وغیرہ تو یہ سب زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں۔معاشی اعتبار سے یہ نہایت مناسب و منصفانہ فیصلہ ہے کہ زکاۃ صرف ان مالوں پر ہو جن میں نمو کی صلاحیت ہو۔جن مالوں پر زکاۃ عائد ہوتی ہے انھیں چار موٹی قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے، مویشی، زرعی پیداوار، سونا چاندی اور سامان تجارت۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

ثم انہ جعلھا فی اربعۃ	پھر شارع نے زکوٰۃ کو صرف
اصناف من المال وھی	چار طرح کے اموال میں واجب قرار
اکثر الاموال دوراباً بین	دیا ہے یہی مال زیادہ تر لوگوں میں گردش
الخلق وحاجتھم الیھا	کرتے ہیں اور ان ہی کی انھیں ضرورت
ضروریۃ احدھا الزرع	پڑا کرتی ہے۔اول زرعی پیداوار
والثمار، والثانیۃ بھیمۃ الانعام	اور پھل دوم مویشی جیسے اونٹ، گائیں
الابل والبقر والغنم۔والثالث	اور بکریاں، سوم سونا اور چاندی جن
الجوھران اللذان بھما قوام	پر اہل دنیا کے معاملات کا مدار ہے
العالم وھما الذھب والفضۃ	چہارم مختلف قسم کے تجارتی سامان
والرابع اموال التجارۃ علی	-----
اختلاف انواعھا۔[1]	

اسی طرح کی حکمت انھوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بھی بیان کی ہے

فان الشارع اوجب	زکاۃ کو شارع نے فقرا کی مدد،
الزکاۃ مواساۃ للفقراء	مال کی پاکی اور رب کی بندگی کے مقصد
وطھرۃ للمال وعبودیۃ	سے واجب کیا ہے، تاکہ بندہ

---

[1] ابن القیم، اعلام الموقعین جلد دوم ص۹۲ القاہرہ مکتبہ السعادۃ ۱۹۵۵

للرب وتقربا اليه باخراج محبوب العبد له وايثار مرضاته ثم فرضها على اكمل الوجوه وانفعها للمساكين وارفقها بارباب الاموال ولم يفرضها في كل مال بل فرضها في الاموال التي تحتمل المواساة ويكثر فيها النماء والنسل ولم يفرضها فيما يحتاج العبد اليه من ماله ولا غنى له عنه كعبيده وامائه ومركوبه وداره وثيابه وسلاحه بل فرضها في اربعة اجناس من المال: المواشي والزروع والثمار والذهب والفضة وعروض التجارة فان هذه اكثر اموال الناس الدائرة بينهم وعامة

اپنی محبوب چیز کا ایک حصہ نکال کر اس سے تقرب حاصل کرے اور اس کی خوشنودی کو ترجیح دے۔ اس کی فرضیت ہر طرح سے اپنی مکمل شکل میں ہے جو اہل حاجت کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہے اور اہل مال کے لئے بھی آسان ہے۔ اسے ہر طرح کے مال میں فرض نہیں کیا ہے بلکہ صرف ان مالوں میں فرض کیا ہے جن میں مواسات کی گنجائش ہے اور جن میں اضافہ، نفع اور افزائش نسل ممکن ہے۔ اسے ان چیزوں پر واجب نہیں کیا ہے جو آدمی کی اپنی ضرورت سے فاضل نہ ہوں یا جو اس کے لئے ضروری ہوں جیسے غلام، لونڈیاں، سواری کے جانور، گھر، لباس اور ہتھیار۔ بس چار طرح کے اموال مویشی، پھل اور زرعی پیداوار، سونا چاندی اور سامان تجارت پر زکاۃ فرض کی ہے۔ عام طور پر لوگوں میں ان ہی اموال کی لین دین ہوتی ہے اور ان کے معاملات بھی ان ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ان ہی میں دوسروں کو شریک کرنے کی گنجائش ہوتی ہے نہ کہ وہ مال جن سے

تصرفهم فيها وهي التي تحتمل المواساة دون ما اسقط الزكاة فيه[۵۹]	زکاۃ ساقط کر دی گئی ہے۔

محنت و مشقت کا اعتبار

مختلف قسم کے اموال میں شریعت نے مختلف شرحیں طے کی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اپنی تحریروں میں دو مقامات پر ان کا تجزیہ کر کے ان کے پیچھے مخفی معاشی حکمت و مصلحت کو واضح کیا ہے۔ ابن قیم کے مطابق زکاۃ کی مختلف شرحوں کے پیچھے معاشی عامل "محنت" کا اعتبار کیا گیا ہے۔ جن اموال کے حصول پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے وہاں شرح زکاۃ کم ہے اور جہاں محنت کم لگتی ہے وہاں شرح زکاۃ اونچی ہے۔ علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

ثم انه فاوت بين مقادير	مختلف قسم کے اموال کے حصول
الواجب بحسب سعي	میں جو سعی و محنت یا سہولت و مشقت
ارباب الاموال في تحصيلها	ہوتی ہے اس کا اعتبار کر کے آپؐ نے
وسهولة ذلك ومشقته	زکاۃ کی مختلف مقداریں واجب کی ہیں۔
فاوجب الخمس فيما	جہاں انسان کو دولت کا ڈھیر یکجا مل
صادفه الانسان مجموعا	جاتا ہے یعنی دفینہ وہاں پانچواں حصہ
محصلا من الاموال وهو	فرض ہے۔ اس میں سال کا گزرنا بھی
الركاز ولم يعتبر له حولا	شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی ملے خمس
بل اوجب فيه	واجب ہے۔ دسواں حصہ ایسے مال
الخمس متى ظفر به	پر عائد کیا ہے جہاں اس سے زیادہ
واوجب نصفه وهو	محنت و مشقت لگتی ہے یعنی وہ پھل
العشر فيما كانت	اور کھیتیاں جن کے لئے انسان زمین

---

۵۹ اعلام الموقعین، جلد دوم ص ۹۰

مشقة تحصيلة وتعبه	تیار کرنا ہے بیج بونا ہے باقی آب پاشی
وكلفته فوق ذلك	کا کام اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس
وذلك في الثمار والزروع التي	کے لئے آدمی کو محنت کرنے، پانی
يباشر حرث ارضها وبذرها	خریدنے یا کنواں کھودنے کی ضرورت
ويتولى الله سقيها من	نہیں پڑتی۔ لیکن نصف عشر یا بیسواں
عنده بلا كلفة في العبد	حصہ واجب ہوگا جب کہ انسان اس
ولا شراء ماء ولا اثارة بئر	کی آب پاشی کے لئے بھی محنت کرے
ودواب واوجب نصف	اور مصنوعی ذرائع جیسے رہٹ یا آبپاشی
العشر فيما تولى العبد سقيه	کے جانوروں سے سینچائی کرے اور اس
بالكلفة والدوالي	سے بھی کم یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے
والنواضح وغيرها	ان مالوں میں جن کی افزائش صاحب
واوجب نصف ذلك وهو	مال کی مسلسل محنت پر موقوف ہوتی
ربع العشر فيما كان	ہے، انسان اس کے لئے کبھی سفر
النماء فيه موقوفا على	کرتا ہے کبھی اپنی جگہ کاروبار کرتا ہے
عمل متصل من رب	اور کبھی آس لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ اس
المال بالضرب في الارض	میں شک نہیں کہ یہ محنت ومشقت
تارة وبالادارة تارة وبالتربص	زرعی پیداوار اور پھل کی پیداوار میں
تارة۔ ولاريب ان كلفة هذا	لگنے والی محنت ومشقت سے زیادہ
اعظم من كلفة الزرع والثمار[۵]	ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت زاد المعاد کی ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:۔

ثم لما كان حصول النماء	چونکہ تجارت کے ذریعہ فائدہ اور افزونی

---

۵ زاد المعاد جلد اول ص ۱۴۸

والربح بالتجارة من اشق
الاشياء واكثرها
معاناة وعملاً خفضها بان
جعل فيه ربع العشر، ولما
كان الربح والنماء بالزروع
والثمار التي تسقى بالكلفة
اقل والعمل اليسر ولا يكون
في كل السنة جعل ضعفه
وهو نصف العشر ولما
كان التعب والعمل فيما
يشرب بنفسه اقل و
المؤنة ايسر جعله
ضعف ذلك وهو العشر
واكتفى فيه بزكاة عامه
خاصة فلو اقام عنده
بعد ذلك عدة احوال
لغير التجارة لم يكن
فيه زكاة لانه قد
انقطع نماؤه وزيادته بخلاف
الماشية وبخلاف ما
لو اعد للتجارة فانه عرضة
للنماء، ثم لما كان الركاز
مالاً مجموعا محصلا

کا حصول نہایت پر مشقت اور تھکا دینے
والا ہوتا ہے اس لئے اس میں شرح
زکاۃ ہلکی رکھی ہے یعنی چالیسواں حصہ
اور چونکہ وہ کھیتیاں اور پھل جنہیں مصنوعی
ذرائع سے سیراب کیا جاتا ہے ان میں
عمل کم اور آسان ہوتا ہے (بہ نسبت
تجارت کے) اور وہ بھی سال کے کچھ
حصوں میں اس لئے شرح زکاۃ دوگنی
یعنی بیسواں حصہ واجب کیا ہے اور
جو کھیتیاں خود سیراب ہوتی ہیں ان میں
محنت و مشقت اور بھی کم ہوتی ہے
اس لئے اس طرح کی پیداوار میں پہلے
کی نسبت دوگنا یعنی دسواں حصہ رکھا
گیا ہے اور ان چیزوں میں صرف پیداوار
کے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اس
کے بعد اگر کئی سال تک اس کے یہاں
وہ غلہ بغیر کسی تجارتی غرض کے پڑا رہے
تو پھر زکاۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ
اب اس میں نمو کا عمل منقطع ہوگیا ہے۔
برخلاف مویشیوں کے یا تجارت کے
سامان کے (جن پر ہر سال زکاۃ ہے)
کہ ان میں نمو ہوتا رہتا ہے۔ جہاں
تک دفینہ کا تعلق ہے تو چونکہ وہ یکجا

و کلفۃ تحصیلہ اقل	دریافت ہوتا ہے اور یہاں محنت
من غیرہ ولم یحتج الی	دوسری طرح کے مالوں سے کم ہوتی
اکثر من استخراجہ	ہے صرف نکالنے کی زحمت کرنی
کان الواجب فیہ ضعف	پڑتی ہے اس لئے اس میں شرح
ذلک وھو الخمس ......[9]	اور زیادہ ہے یعنی پانچواں حصہ۔

زکاۃ کی مختلف شرحوں کی تعیین میں اہم معاشی عامل "محنت" کو بنیاد قرار دینا عدل و مساوات کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اگر ہر طرح کے مال پر ایک ہی شرح ہو تو مال کی وہ قسمیں جو محنت شاقہ کی طالب ہوتی ہیں ان کے حصول کے لئے آدمی کم ہی راغب ہوتا ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مختلف نصاب کے پیچھے اس طرح کی حکمت کی نشاندہی ابن قیم کے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) نے بھی کی ہے[10] یہ چیز ان بزرگوں کی معاشی تجزیاتی بصیرت پر دلیل ہے۔ ان سے پہلے شائد کسی نے ایسی توجیہ کی ہو۔ البتہ اس دریافت کی عملی اہمیت پر انھوں نے اپنی رائے نہیں دی، یعنی یہ کہ اگر محنت تجارت کے بجائے زراعت میں بڑھ جائے یا زراعت کی بہ نسبت دفینہ (جس میں اکثر فقہا معدنی دولت کو بھی شمار کرتے ہیں) میں زیادہ لگے تو قیاس کر کے شرح میں کسی رد و بدل یا لاگت وضع کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ کیوں نہ وراثت میں یا تحفہ میں پائی جانے والی دولت پر بھی نہایت اونچی شرح زکاۃ عائد کی جائے؟ کیوں اسے چوتھی قسم میں شمار کیا جائے جس پر صرف ڈھائی فیصد زکاۃ ہے اور وہ بھی پورا سال گزرنے پر۔ لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کی محنت و مشقت وارث کی اپنی محنت شمار کی گئی ہے کیوں کہ وارث اپنے پیش رو کی صرف دولت ہی نہیں حاصل کرتا بلکہ مالی خسارے بھی اس کے حصہ میں آتے ہیں۔ اگر

---

[9] اعلام الموقعین جلد دوم ص ۹۱، ۹۲ [10] ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ جلد ۲۵ ص ۸ الریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۵ھ

اسے کبھی ثروت ہاتھ آتی ہے تو کبھی ادائیگی قرض کا پابند بھی کیا جاتا ہے۔ جہاں تک موہوبہ دولت کا تعلق ہے اس پر نہایت اونچی شرح کی زکاۃ عائد کرنے سے فیاضی واحسان اور تحائف وہدایا کے عمل پر ضرب لگے گی جو کہ ایثار وقربانی اور محبت وتعاون کی علامات ہیں اور اسلام ان کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

زکاۃ کی مختلف شرحوں کا ایک اور بھی سبب علامہ ابن قیم نے بیان کیا ہے:۔

وایضاً فان نمو الزرع والثمار	نیز کھیتی اور پھل کی پیداوار تجارت کے
اظهر واکثر من نمو	اضافہ سے زیادہ فراواں نمایاں ہوتی
التجارة فکان واجبها اکثر	ہے اس لئے اس میں واجب مقدار
من واجب التجارة وظهور	تجارت میں واجب ہونے والی مقدار
النمو فیما یسقی بالسماء و	سے زیادہ ہے اور جو زمین بارش یا دریا
الانهار اکثر مما	کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اس کی
یسقی بالدوالی والنواضح	پیداوار رہٹ اور کنووں سے سیراب
وظهوره فیما وجد	ہونے والی زمین کی پیداوار سے زیادہ
محصلا مجموعا کالکنز	ہوتی ہے۔ اور خزانے وغیرہ جو اکٹھا
اکثر واظهر من	مل جاتے ہیں ان کا اضافہ تمام ہی سے
الجمیع [۱]	بڑھ کر ہوتا ہے۔

یہ دوسرا سبب علامہ ابن القیم کے دور میں ممکن ہے صحیح رہا ہو جب کہ صنعت وتجارت میں اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ ہمارے اس دور میں ہوئی ہے۔ اس وقت تجارتی سرگرمیاں زیادہ تر چھوٹی موٹی صنعتوں اور معمولی کاروبار تک ہی محدود تھیں آب پاشی کے وسائل وذرائع سادے قسم کے اور ناکافی تھے۔ مگر اس دور میں جب کہ ملکی وعالمی تجارت نہایت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے اور زراعت وآب پاشی کے جدید ترین

---

[۱] زاد المعاد جلد اول ص ۱۴۸

ترقی یافتہ آلات کی مدد سے غلہ کی پیداوار بارش سے ہونے والی پیداوار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، مذکورہ بالا توجیہ نئے غور وفکر کی طالب ہے۔

حولان حول کی معاشی اہمیت

زکاۃ کے وجوب کے لئے حولان حول یعنی ملکیت پر ایک مکمل سال کا گزرنا شرط ہے سوائے زرعی پیداوار اور رکاز کے، کیوں کہ زرعی پیداوار پر زکاۃ ہر کٹائی کے بعد اور دفینہ یا رکاز پر دریافت کے بعد ہی زکاۃ ہے۔ حولان حول کی شرط معاشی اعتبار سے کافی اہم ہے، کیوں کہ یہ مدت اگر ایک سال سے کم ہوتی تو مال داروں پر شاق گزرتی اور وصولی زکاۃ پر لاگت بھی کافی آتی۔ اور کہیں یہ وقفۂ وصولی ایک سال سے زیادہ ہوتا، مثلاً پانچ سال بعد، دس سال بعد یا عمر میں ایک بار تو اس سے اہل حاجت اور دوسرے مستفیدین زکاۃ کو پریشانی لاحق ہوتی۔ اتنی طویل مدت کے لئے تاب انتظار کس میں رہتی۔ اس حقیقت کی طرف ابن قیمؒ نے ذیل کی عبارت میں اشارہ کیا ہے۔

ثم انہ اوجبھا مرۃ کل عام	پھر اسے سال میں ایک بار واجب کیا
وجعل حول الزرع والثمار	لیکن پھل اور کھیتوں کی زکاۃ کا وقت
عند کمالھا واستوائھا	اس کی تیاری اور فصل کا پکنا قرار دیا
وھذا اعدل مایکون،	وقت کی یہ تعیین نہایت عادلانہ ہے
اذ وجوبھا کل شھر او کل	کیوں کہ اگر زکوٰۃ ہر ماہ یا ہر جمعہ کو واجب
جمعۃ یضر بارباب الاموال	ہوتی تو اس سے مالداروں کو ضرر لاحق
ووجوبھا فی العمر مرۃ مما	ہوتا اور اگر عمر میں ایک بار واجب ہوتی
یضر بالمساکین فلم	تو اہل حاجت کو ضرر پہنچتا۔ اس لئے
یکن اعدل من وجوبھا	سالانہ ادائیگی سے بڑھ کر کوئی عادلانہ
کل عام مرۃ ... [۱۲]	نظام نہیں ہوسکتا۔

---

[۱۲] ایضاً جلد اول ص ۱۴۷ - ۱۴۸

اسی طرح اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:۔

...ثم لما کانت المواساۃ لا تحتمل کل یوم ولا کل شھر اذ فیہ اجحاف بارباب الاموال جعلھا کل عام مرۃ کما جعل الصیام کذلک ١٥١٣

چونکہ لوگوں کی مواسات اور حاجت روائی کی گنجائش ہر روز اور ہر مہینہ میں نکالنی مشکل ہے کیوں کہ اس میں مال والوں کو ضرر لاحق ہوگا اس لئے روزہ کی طرح زکوٰۃ کو بھی ہر سال ایک بار واجب قرار دیا۔

زکاۃ کے سالانہ وجوب کے پیچھے کچھ اور بھی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جن کا علامہ نے ذکر نہیں کیا۔ مثال کے طور پر زکاۃ اموال نامیہ پر ہے اس کا تقاضا ہے کہ آدمی کو مناسب موقع ملے کہ وہ ان اموال نامیہ سے فائدہ اٹھا سکے اور کسی کاروبار میں لگا کر اس کے ثمرات دیکھ سکے ایک سال کی مدت عموماً کاروبار شروع کرنے اور اس کے نتائج حاصل کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر زکاۃ ہر ماہ یا ہر ہفتہ واجب ہوتی تو ادا کرنے والوں کو بہت سے مسائل و مشکلات کا سامنا ہوتا مثلاً آئے دن زکاۃ کا حساب و کتاب کرنا، کاروبار میں لگے ہوئے سرمایہ میں سے زکاۃ ادا کرنے کے لئے کچھ نکالنا وغیرہ۔

مصارف زکاۃ کا تجزیہ

مصارف زکاۃ کی توجیہ و تحلیل کرتے ہوئے ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ زکاۃ سے مستفید ہونے والی آٹھ قسموں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو محتاج ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق زکاۃ لیں، دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنھیں ان کی نفع بخشی کی وجہ سے زکاۃ دی جاتی ہے۔ اگر کوئی محتاج نہ ہو اور نہ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو ایسے شخص کو زکاۃ نہیں دی جائے گی۔ اس سے واضح ہے کہ زکاۃ عام معنی میں حکومت کی آمدنی نہیں ہے کہ جیسے اور جہاں چاہے

١٥١٣ اعلام الموقعین جلد دوم صد ٩٢

خرچ کرے۔ ابن القیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے۔

والرب سبحانہ تولی
قسمۃ الصدقۃ
بنفسہ وجزأھا ثمانیۃ
اجزاء یجمعھا صنفان
من الناس، احدھما
من یأخذ بحاجتہ
فیأخذ بحسب شدۃ
الحاجۃ وضعفھا وکثرتھا
وقلتھا وھم الفقراء والمساکین
وفی الرقاب وابن السبیل
والثانی من یأخذ لمنفعتہ
وھم العاملون والمؤلفۃ
قلوبھم والغارمون
لاصلاح ذات البین والغزاۃ
فی سبیل اللہ، فان لم یکن
الآخذ محتاجا ولا فیہ
منفعۃ للمسلمین فلا سھم
لہ فی الزکاۃ [۱۳]

اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کی تقسیم خود فرمائی
ہے اور اسے آٹھ حصوں میں بانٹا ہے
جو دو طرح کے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ ایک
طرح کے لوگ وہ ہیں جو اپنی حاجت
کے سبب زکاۃ لیتے ہیں۔ ان کے لئے
جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی شدت
یا ضعف اور کثرت یا قلت کے مطابق
زکاۃ لیں۔ اس گروہ میں فقراء، مساکین،
مکاتب اور مسافر آتے ہیں دوسری طرح
کے لوگ وہ ہیں جو اپنی نفع بخشی کی وجہ
سے زکاۃ لیتے ہیں اس گروہ میں زکاۃ
کے کارندے، مولفۃ القلوب، نیک
مقصد کے لئے دائم قرض میں گرفتار
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے
آتے ہیں۔ اگر زکاۃ کا خواستگار نہ خود
محتاج ہو اور نہ اس کی ذات سے
مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو ایسے لوگوں
کا زکاۃ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسموں کے علاوہ بھی مال درکار ہو یا زکاۃ کی آمدنی ناکافی ہو تو کیا کیا جائے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس

---

[۱۳] زاد المعاد جلد اول ص ۱۳۸

طرف کوئی واضح اشارہ نہیں کیا ہے۔ لیکن ان کے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ نے شدت کے ساتھ زکاۃ کے علاوہ بھی مالی ذمہ داریوں کی وکالت کی ہے[۱۵] اور ان سے پہلے علامہ ابن حزمؒ (متوفی ۱۰۶۳ء) نے بھی اس نکتہ پر کافی زور دیا ہے[۱۶]

---

[۱۵] ابن تیمیہ، الایمان ص۲۹۹ طبعۃ ثانیہ بیروت المکتب الاسلامی ۱۳۹۲ھ ومجموع فتاویٰ جلد ۲۹ ص۱۷۸ [۱۶] ابن حزم، المحلی تحقیق احمد شاکر جلد ششم ص۱۵۶-۱۵۹ القاہرہ، المنیریہ ۱۳۴۷ھ

ہندوستان پبلیکیشنز کی اہم مطبوعات

۲۰۳۵۔ گلی قاسم جان۔ بلیماران۔ دہلی ۶

۱۔ اسلام ایک روشن حقیقت	ڈاکٹر حمودہ عبدالعاطی	۲۵/-
۲۔ اخوان المسلمون کا تربیتی نظام	یوسف القرضاوی	۸/-
۳۔ ہم دعوت کا کام کیسے کریں	عبدالبدیع صقر	۸/-
۴۔ اسلامی معیشت کے بنیادی اصول	محمد ابوالسعود	۱۰/-
۵۔ دعوت اسلامی۔ پندرہویں صدی کے استقبال میں	الغزالی	۲۰/-
۶۔ اسلامی کردار	محمد الغزالی	۲۰/-
۷۔ زنداں کے شب و روز	زینب الغزالی	۱۲/-
۸۔ اسلام کی بنیادیں	حسن ایوب	۲۰/-
۹۔ تحریک اور دعوت	بہی الخولی	۲۵/-
۱۰۔ تحریک اسلامی، مشکلات، مسائل، آزمائش	فتحی یکن	۱۲/-
۱۱۔ اسلامی حکومت، حقوق و فرائض	عبدالکریم زیدان	۷/-
۱۲۔ اخوان المسلمون۔ مقصد۔ مراحل۔ طریقۂ کار	سعید حوی	۱۵/-
۱۳۔ تصوف کی تین اہم کتابیں	سید احمد عروج قادری	۷/۵۰